ہمارا کردار غیر مسلموں میں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر متعدد اہل فکر مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ صدی اسلام کی صدی ہوگی، یعنی اس میں مسلمان قوتوں کو فروغ حاصل ہوگا، اور مسلمان ابھر کر دوسری قوموں کے مقابلہ میں اٹھیں گے، اور عظیم طاقت بنیں گے۔

اس خیال کے لوگوں کے سامنے دنیا میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، جگہ جگہ نوجوان مسلم طاقتوں کا زور اور دنیا کے متعدد حصوں میں سب کی توجہ مسلمانوں پر مرکوز ہوجانا تھا، ان باتوں کو انھوں نے مسلمانوں کے شاندار مستقبل کی علامت محسوس کیا۔

ان کا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے اس کو تو مستقبل بتائے گا، باقی یہ ضرور ہے کہ ہم کو عالم اسلام کے اندر مسلمانوں کی روز افزوں بیداری کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے، اور اس میں اچھے پہلوؤں سے حوصلہ و امنگ حاصل کرنا چاہئے اور غلطیوں کے حامل پہلوؤں سے سبق لینا چاہئے، اور اپنی حکمت عملی میں ان سے بچنے کی صورت شامل کرنا چاہئے۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی دعوت کے عمل اور جہاد کے عمل پر مشتمل ہے، اور دونوں کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے پوری روشنی ملتی ہے، اور اسی سے رہنمائی اور طاقت حاصل کرنا ہے، اپنے ذاتی رجحان پر نہیں، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ غیروں سے ہم کو جو تکلیفیں پہنچیں اور طاقتور دشمنوں سے جو اذیتیں پہنچیں، انھوں نے ہم میں ایک ردعمل پیدا کردیا، جو انتقامی جذبہ کی صورت میں جگہ جگہ ظاہر ہورہا ہے، انتقام لینا ہر مظلوم کا حق ہے، اور اگر مظلوم میں انتقامی کیفیت پیدا ہوئی، تو اس کے اس طرز عمل کو بغاوت کی بات سمجھا جائے گا، اور مظلوم کو اسلام کی طرف سے انتقام کا پورا حق دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ صحیح نہیں کہ انتقامی جذبہ میں خطا کار اور بے خطا کا فرق نہ کیا جائے، اور ظالم سے غصہ ہوکر اس سے تعلق رکھنے والے ایسے شخص پر بھی غصہ اتار دیا جائے، جس نے ظلم نہیں کیا، پھر یہ دیکھنا عقل کی بات ہے کہ انتقام لے لینے اور غصہ اتار لینے کے علاوہ بھی کوئی دوسری بات نفع بخش ہوسکتی ہو تو اس پر بھی غور کیا جائے، اور اختیار کرنے کے لائق ہو تو اختیار کیا جائے، اور ظالم کا مطالعہ کیا جائے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ اس کے ظلم کے پیچھے کوئی ایسا سبب تو نہیں جس کا تعلق ہماری کسی کمزوری یا غلطی سے ہو۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے دین کا کام دعوت سے شروع کیا، اور دعوت میں اللہ تعالی کی ربوبیت ووحدانیت کو تسلیم کرایا اور بندگی کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ عام انسانی ہمدردی اور مکارم اخلاق کو وطیرہ بنایا، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو آپ کی دعوت سے اختلاف بلکہ مخالفت کے باوجود آپ سے ہمدردی تھی، جو آپ کو امانت دار سچا اور نیک طبیعت سمجھنے کے واقعات سے ظاہر ہے، ابوجہل نے ایک بار آپ کو سخت زبانی ایذا پہنچائی، آپ نے موقع ایسا محسوس کیا کہ سخت لفظ فرمائیں، آپ نے فرمایا: میں وہ بات لایا ہوں جس کے ذریعہ تم لوگ کٹو گے، اس پر لوگ یہ کہنے لگے کہ محمد صاحب آپ تو نادرست اور ناگوار رویہ اختیار نہیں کرتے تھے، یعنی دشمنوں نے شہادت دی کہ آپ کا رویہ عموماً صبر کا رہا۔

آپ جہاں نرم اور متحمل مزاج تھے، کہ آپ کے دشمن بھی کہیں کہ آپ ایسا سخت رویہ اختیار نہیں کرتے تھے، وہاں یہ بات بھی تھی کہ جہاد وقتال کا موقع آیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے بھی ضرب وقتال کیا، اور اس میں کوئی ڈھیلا پن اختیار نہیں کیا، آپ کی مکی زندگی اپنا علاحدہ رنگ رکھتی ہے، اور مدنی زندگی علاحدہ رنگ اور دونوں میں کبھی کبھی وہ لمحات بھی آئے جس میں طرز مختلف ہو جاتا، یہ سب موقع ومحل کا لحاظ رکھنے اور مقصد پر نظر رکھنے کی وجہ سے ہوتا تھا، چنانچہ طائف جب آپ ہمدردی حاصل کرنے کے

لئے تشریف لے گئے، اور وہاں ہمدردی نہیں ملی بلکہ نہایت غیر انسانی طریقہ سے آپ کو مایوس کیا گیا اور اذیت پہنچائی گئی تو اس پر خدائے تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک فرشتہ بھیجا گیا کہ اگر آپ کہیں تو جن پہاڑوں کے درمیان یہ رہتے ہیں، پہاڑوں سے دبا دیئے جائیں، آپ نے دکھے دل کے باوجود یہ فرمایا کہ نہیں، اگر یہ نہیں تو ان کی اولاد حلقہ بگوش اسلام ہوجائے گی۔

ہم اگر مسلمانوں کے درمیان رہ رہے ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری ہے، اور اگر غیر مسلموں کے درمیان ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری ہے، رواداری برتنے کے حالات کون سے ہیں اور انتقامی جذبہ اختیار کرنے کے کون سے ہیں، پھر یہ دیکھنا کہ محض دشمن کی شرپسندی سے حالات میں خرابی ہے یا ہماری کوتاہی اور بے توجہی کو بھی دخل ہے، ان باتوں پر نظر رکھتے ہوئے طریقہ عمل اختیار کرنا سمجھداری ہے۔

ان باتوں کا ہم اگر منصفانہ جائزہ لیں تو کم از کم ہندوستان کے اس ملک میں ہماری کوتاہی کا بھی اچھا خاصا حصہ نکلے گا، ہم نے اسلامی تعلیمات کو واضح کرنے اور مسلمانوں کے انسانیت دوستی کے کردار کا مظاہرہ کرنے میں بڑی کوتاہی کی ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض وقت ہم کو اپنے پڑوس میں کئی کئی دہائی تک غیر مسلموں سے واسطہ پڑا ہے، لیکن ان کو یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ اسلام میں غیر مسلم کے ساتھ کیا کردار بتایا گیا ہے، اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسلام کا موٹا موٹا مطلب کیا ہے، اس کے برعکس اس کو مسلمانوں سے خوف محسوس ہوتا ہے، اس نے صرف یہ سنا ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف صرف مار دھاڑ کرتے رہے اور ان کے یہ اخلاف بھی کچھ ایسے ہی خطرناک جذبات کے لوگ ہیں، پھر ان کو ان کے لیڈر اور بھی جھوٹی سچی باتیں بتا کر مسلمانوں سے بالکل مشکوک بنا کر نفرت سے دل بھر دیتے ہیں، ایسی صورت میں کیا ہماری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کو اسلام کے متعلق اور مسلمانوں کے متعلق بتائیں، ان کی صحیح تصویر ان کے سامنے رکھیں، اور ان کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں ایک اعلیٰ تصور پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اس ملک میں غیر مسلموں کا اسلام کے بارے میں تصور صحیح کرنے کی کوئی صورت نہیں رہی اس کام کی توجہ کم سے کم ہے، ہندوستان جیسے ملک میں جس میں متعدد مذاہب، اور قومیں رہتی ہیں اور مسلمان اقلیت میں بھی ہیں، غیر مسلموں کی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو غلط معلومات ہیں، ان کو درست کرنے کی کوشش بہت ضروری ہے، اور اسلام کا جو روشن چہرہ ہے اس کو دکھانے کی کوشش کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ کام دعوت کا بھی ہے، اور دعوت کا کام دیگر تمام طریقوں پر مقدم اور ان سے افضل ہے، اس کے بعد دوسرے طریقے آتے ہیں جن کو حسب موقع وحسب ضرورت اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں نے وہ تمام اخلاقی اور انسانی کمزوریاں اور برائیاں اختیار کرلی ہیں جو غیر مسلموں میں پائی جاتی ہیں، اور مسلمان محض مردم شماری کے لحاظ سے مسلمان ہونے پر یہ توقع قائم کئے ہوئے ہیں کہ غیر مسلموں سے ان کے سب اختلافات معرکہ حق وباطل ہیں اور مقابلہ پڑ گیا تو غزوہ بدر جیسی مددان کے لئے بھی آئے گی، اس وقت افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ ہماری سیرت وکردار کمزور ہماری سنجیدہ کوشش وجدوجہد ناقص، ہماری حکمت عملی غیر مدبرانہ، ہمارے جذبات بے قابو، ہمارا تعلق مع اللہ مشکوک، اور غیروں میں ہمارا تصور خراب ہے، ایسی صورت میں صرف طلاقت لسانی اور گرم لہجے اور گرم مظاہروں سے کہاں تک کام چل سکتا ہے، ہمارا کام سنجیدگی کے ساتھ موقع ومحل کا لحاظ کر کے حکمت عملی اختیار کرنے، اپنا کردار درست کرنے اور نرم وگرم دونوں موقعوں کے لئے حضور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اجتماعی زندگی کے مختلف النوع حالات سے نمٹنے کی جو سنت رہی ہے، اس کو اختیار کرنے سے ہی چلے گا، اس حقیقت کو ہمارے قائدین کو بھی سمجھنا ہے اور